ڈاکٹر سلام سندیلوی زبان وادب کا منفرد نفسیاتی شاعر ونقاد

ڈاکٹر عبیداللہ چودھری

313، بسنت پور، گیتا پریس، گورکھپور۔273005 (یوپی) موبائل:9235895921

اردو زبان وادب میں ڈاکٹر سلام سندیلوی کی شخصیت بلندی کے اُس آسمان تک پہنچتی ہے جہاں عظیم لفظ کا استعمال ناگزیر ہوجاتا ہے۔ وہ شاعر بھی تھے اور محقق بھی اور اعلیٰ پائے کے نفسیاتی نقاد بھی۔ ڈاکٹر سلام سندیلوی کی شخصیت اگر اردو زبان وادب کے خاموش خدمت گزاروں کی فہرست مرتب کی جائے تو بلا مبالغہ موصوف کا نام سرفہرست رہے گا۔ وہ اڑتیس کتابوں کے مصنف تھے۔

ڈاکٹر سلام سندیلوی کا اصلی نام عبدالسلام اور تخلص سلام تھا۔ اسکول کی سند کے مطابق ان کی تاریخ پیدائش ۲۵؍فروری ۱۹۱۹ء ہے۔ (اصل تاریخ پیدائش سلام صاحب کے مطابق ۱۹؍فروری ۱۹۱۷ء ہے) وہ موضع کورنہ تحصیل سندیلہ ضلع ہردوئی (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ ان کی ابتدائی تعلیم سندیلہ میں ہوئی۔ انھوں نے ۱۹۳۳ء میں ٹاؤن اسکول سندیلہ سے اردو مڈل کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا اس کے بعد انگریزی تعلیم کے لیے ٹرنر اینگلو ورنا کولر اسکول سندیلہ میں نام لکھایا۔ جہاں سے ۱۹۳۶ء میں لکھنؤ آئے اور امیر الدولہ اسلامیہ انٹر کالج سے ہائی اسکول ۱۹۳۷ء میں ۱۹۴۱ء میں گورنمنٹ کرشچن کالج لکھنؤ سے انٹرمیڈیٹ پاس کیا ۱۹۴۲ء میں گورنمنٹ ٹریننگ کالج لکھنؤ سے سی۔ ٹی کی سند حاصل کی۔ بعدازاں وہ مستقل طور سے شعبۂ تعلیم سے وابستہ ہوگئے۔ جولائی ۱۹۴۲ء میں ہی فیض عام اسکول میں ملازمت مل گئی۔ کانپور میں ان کا جی نہ لگا۔ اس لیے ۱۹۴۳ء میں انڈسٹریل اسکول لکھنؤ میں ملازم ہوئے۔ ملازمت کے دوران انھوں نے ۱۹۴۶ء میں لکھنؤ یونیورسٹی سے بی۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ بی۔ اے کرنے کے بعد سُنی انٹر کالج میں بحیثیت مدرس وابستہ ہوگئے۔ اسی دوران ۱۹۴۸ء میں لکھنؤ یونیورسٹی سے ایم۔ اے پاس کیا۔ ۱۹۵۲ء میں انھوں نے آگرہ یونیورسٹی سے تاریخ میں ایم۔ اے کرلیا۔ ڈاکٹر سلام کی توجہ اردو میں زیادہ تھی اس لیے انھوں نے لکھنؤ یونیورسٹی سے اردو رباعیات کے موضوع پر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اگست ۱۹۵۹ء میں ان کو شعبۂ اردو گورکھپور یونیورسٹی میں لکچرر کی جگہ مل گئی۔ ملازمت کے دوران انھوں نے ''اردو شاعری میں منظرنگاری'' کے موضوع پر لکھنؤ یونیورسٹی سے ڈی لٹ کی ڈگری حاصل کی۔

ڈاکٹر سلام سندیلوی کی شاعری میں زندگی کے خارجی اور داخلی دونوں طرح کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ وہ ہمیشہ اپنے ذاتی اصولوں اور احساسات کے ساتھ آگے بڑھتے رہے ہیں۔ وہ حسّاس، نازک مزاج اور معصوم شخصیت کے مالک تھے۔ ''پاگل کوّے'' ڈاکٹر سلام سندیلوی کی مشہور نظم ہے۔ جس طرح ادب سماج کا آئینہ ہوتا ہے اسی طرح نفسیاتی موضوع پر قلم اُٹھانے والے ادیب یا شاعر کا تعلق بڑی حد تک اپنی ذاتی زندگی کے قریب ہوتا ہے۔ وہ زندگی کے اہم واقعات کی روشنی میں جب کوئی تحریر رقم کرتا ہے تو اس کی تحریر کے ذریعہ شاعر کو اپنی ہی زندگی کا عکس نظر آنے لگتا ہے۔

ڈاکٹر سلام سندیلوی کی مشہور نظم ''پاگل کوّے'' نفسیاتی اعتبار سے ڈاکٹر موصوف کی زندگی کی کہانی ہے۔ ڈاکٹر سلام سندیلوی کی زندگی بچپن سے طوفانوں سے کھیلتی رہی ہے۔ یا یوں کہئے کہ طوفان ان کی زندگی سے کھیلتے رہے ہیں۔ اُنہی کہ الفاظ میں ان کی زندگی کی کہانی سُنیں۔ یہ تحریر ڈاکٹر سلام نے محمد احسن فاروقی کو لکھ کر بھیجی تھی جسے فاروقی صاحب نے ان کی اپنی تصنیف ''ساغر و مینا'' کا مقدمہ لکھتے وقت نقل کیا تھا۔ ''میری زندگی آنسو ہی آنسو ہے جس میں تبسم ہائے پنہاں کی بھی جھلک نہیں۔ بچپن کا زمانہ بھی زیادہ خوشی سے نہیں گزرا خصوصاً تعلیم کے سلسلے میں جب والدین سے جدا ہونا پڑا تو سیہ بختی نے یکا یک چونکا دیا۔ مصیبتیں یکے بعد دیگرے بھیس بدل بدل کر سکون کو برباد کرتی رہیں۔ ۳۱؍دسمبر ۱۹۴۲ء کو جب میں شباب کی منزل طے کر رہا تھا اچانک والد ماجد کا انتقال ہوگیا۔ سر پر رنج وغم کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ ناتجربہ کار سمجھ کر اپنوں نے بے گانگی برتی۔ چچا نے کچھ زمین اور باغات ہڑپ کرلیا۔ ماموں نے قدیمی مکان پر دانت جمائے۔ سوتیلے بھائی نے جور وستم کا تختۂ مشق بناڈالا پھر بھی غنیمت کے دِن تھے والدہ ماجدہ تسکین قلب کے لیے موجود تھیں، مگر خدا کو یہ منظور نہ تھا ان کی آنکھوں میں درد اُٹھا اور موتیا بند کا مرض ہوگیا چنانچہ ۹؍مارچ ۱۹۴۷ء کو انھوں نے بھی داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اب میں تھا اور میری مایوسیاں میری پھوٹی ہوئی قسمت تھی اور ظلمتیں بے پناہ ظلمتیں جہاں سنہری کرن کا گزر بھی نہیں قدرت نے بہت مغموم دیکھ کر ۱۱؍جولائی ۱۹۴۷ء کو ایک حسین کھلونا دل

بہلانے کو دیا نہ جانے کیوں چھین لیا۔ نزہت شہوار اُمید کی نئی کلی چار ماہ کی مسکراہٹ کے بعد ۱۱؍نومبر ۱۹۴۷ء کو مرجھا گئی۔ اب پھر میری دُنیا میں اندھیرا چھا گیا اور زندگی کی تمام آرزوئیں فنا ہوگئیں، لیکن ابھی قدرت کو مجھے اور مجبور کرنا تھا۔ ۳؍اپریل ۱۹۴۸ء کو ۷ بجے شام کے قریب ایک بجلی گری جس نے میرے خرمنِ ہستی کو پھونک ڈالا۔ میری رفیقۂ حیات صرف ۲۲ سال کی عمر میں مجھ سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ گئی۔ اتنے زخم کھانے کے بعد خبر نہیں میں پاگل کیوں نہ ہوگیا یا اب تک کیسے زندہ ہوں۔'' اس تحریر کی روشنی میں ڈاکٹر سلام سندیلوی کی زندگی رنج والم کے سائے میں گزری کوئی ان کا غمخوار نہ رہا بہت دنوں تک تنہائی کی زندگی جنون و وحشت کی حالت میں گزاری ہوگی۔ رنج والم کی زیادتی سے آدمی بے حد حسّاس اور نازک مزاج بن جاتا ہے اور دل و دماغ کی کشاکش میں پھنس کر وہ بڑی حد تک ٹوٹ سا جاتا ہے۔ اُسے جینے کے لیے ایک نئے حوصلے اور نئی ہمت کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ ''پاگل کوّے'' نظم ڈاکٹر سلام سندیلوی کی ابتدائی دور کی تخلیق ہے۔ پوری نظم سات بندوں پر مشتمل ہے۔ چند بند رقم کر رہا ہوں:

پاگل کوّے مت بول یہاں ہے کون یہاں آنے والا
مجھ سے خفا ہے سارا جہاں ہے کون یہاں آنے والا

میری دیوار پہ تو بیٹھا کیوں پاپی شور مچاتا ہے
کیوں بھولی بسری باتوں کو پردیس میں یاد دلاتا ہے
کیوں کانوں کو جھٹلاتا ہے کیوں نظروں کو بہکاتا ہے
میرا دنیا میں کوئی نہیں کس کا سندیس سناتا ہے
جا چھیڑ نہ دُکھتی رگ ناداں ہے کون یہاں آنے والا
پاگل کوّے مت بول ہے کون یہاں آنے والا

اک باپ تھا بیلا باغ میں جو ہے زیرِ تربت برسوں سے
اک ماں جو گاؤں میں رہتی تھی ہے ساکنِ جنت برسوں سے
اک بھائی کہیں پردیس میں ہے جس سے ہے عداوت برسوں سے
اک دور کا ماموں ہے جس کو مجھ سے ہے شکایت برسوں سے
پھر کس کے آنے کا ہو گماں ہے کون یہاں آنے والا
پاگل کوّے مت بول یہاں ہے کون یہاں آنے والا

تیری بولی سے اے پنچھی اک پچھلی چوٹ اُبھر آئی
وہ میری زوجہ خوش باطن جو تھی غمخوار تنہائی
جس کی ہر سانس میں بجتی تھی الفت کی سُریلی شہنائی
وہ جنت کی جانب چل دی لیتی ہوئی موت کی انگڑائی
خاموش لحد ہے جس کا نشاں ہے کون یہاں آنے والا
پاگل کوّے مت بول یہاں ہے کون یہاں آنے والا

جھوٹے کوّے اب اُڑ بھی جا یاں آون ہارا کوئی نہیں
اب میں نہ کسی کا پیارا ہوں اب میرا پیارا کوئی نہیں
ساتھی ہے سلام اپنا ہی دم بس اور سہارا کوئی نہیں
دریا طوفان رات اندھیرا اور پاس کنارا کوئی نہیں
منجدھار میں اب کشتی ہے رواں ہے کون یہاں آنے والا
پاگل کوّے مت بول یہاں ہے کون یہاں آنے والا

یہ حقیقت ہے کہ کسی گھر کے آس پاس یا مکان کی چھت پر کوئی کوّا بولتا ہے تو انسانی عقیدہ یہ مانتا آیا ہے (خواہ اس میں کوئی سچائی ہو یا نہ ہو) کہ اس کے گھر کوئی آنے والا ہے۔ اسی لیے ڈاکٹر سلام کو اپنے مکان کی منڈیر پر کوّے کا بولنا پسند نہیں آیا ہوگا۔ ان کی تنہائی اور خاموشی کے سکوت کو توڑنے میں کوّے کی آواز مُخل ہو رہی تھی جو ان کی حسّاس طبیعت کو گوارہ نہ ہوا۔ انھوں نے اس نظم میں کوّے سے کہا کہ تو یہاں کیوں بولتا ہے۔ تیرا یہاں بولنا بے معنی ہے۔ یہاں کوئی آنے والا نہیں ہے۔ تو یہاں سے اُڑ جا اور مجھے پریشان نہ کر کیونکہ تیرے پریشان کرنے سے میرے چھپے ہوئے زخموں کے منھ کھل جاتے ہیں اور میں ان زخموں کے آزار سے چیخ اُٹھتا ہوں۔

شاعر کو کوّا پاگل معلوم ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو کیونکہ وہ ایک ایسے گھر پر بولتا ہے جہاں کوئی آنے والا نہیں ہے۔ اس کے بعد نظم میں شاعر کی زندگی کے گزرے ہوئے سانحات ایک دلدوز اور جگر پاش طریقے سے بیان کیے جاتے ہیں۔ پڑھنے والوں کے دل پر اُداسی کا جذبہ طاری ہوتا جاتا ہے۔ ایک عجیب غم کی دنیا میں پہنچ کر پوری کائنات غم کے اثر میں ڈوبی نظر آتی ہے اور دنیا بھر کی مصورانہ غم کی تصویریں نگاہوں کے سامنے ناچنے لگتی ہیں۔ یونان کا ڈراما نگار ہوپوکلس (Hopoclus) یاد آتا ہے۔ جو سمندر کے کنارے کھڑا ہو کر لہروں کو سنگ ریزوں سے ٹکراتے ہوئے دیکھ کر انسانی غم کی اُٹھتی ہوئی موجوں کا تصور کرتا ہے۔ عہدِ ایلیز ابیتھ کے ڈراما نگار ایڈورڈ سیکنڈ (Edware II) کا آخری سین تازہ ہو جاتا ہے۔ جس میں اندھا بادشاہ اپنی پیاری بیٹی کے غم میں آنسو بہاتا ہے۔ سلام سندیلوی بھی میر تقی میر کی طرح کہیں۔

ہم کو شاعر نہ کہو میر کے صاحب ہم نے
رنج و غم جمع کیے کتنے تو دیوان کیا

اس نظم کو پڑھ کر روح اس شیریں حقیقت کا اعتراف کر دیتی ہے۔ جس کی طرف شیلی نے اشارہ کیا ہے:

Our Sweetest songs are these that tell of the Suddest thought.

ہمارے شیریں ترین نغمے وہ ہیں جو ہمارے مغموم ترین خیالات کی ترجمانی کرتے ہیں۔

ڈاکٹر سلام سندیلوی کی نظم پاگل کوّے کی تعریف میں فراق گورکھپوری نے ڈاکٹر سلام کو اپنے ایک مکتوب میں لکھا تھا اُس کی تحریر راقم نقل کر رہا ہے۔

مکرمی! تسلیم

آج ۹/اکتوبر ۱۹۴۵ء کو آپ کی نظم ملی، مجھے تو کوئی عیب نظر نہیں آیا خوبیاں ہی خوبیاں نظر آئیں اگر آپ اتنے معصوم جذبات اور اتنے معصوم ترنم سے لبریز پچاس ساٹھ نظمیں بھی دو چار برس کے اندر کہہ ڈالیں تو آپ اردو ادب اور ہندوستان پر احسان کریں گے۔ اس نظم کو گنگناتے ہوئے میں مشکل سے اپنے آنسو روک سکا۔ خیر اندیش۔ (فراق)

ڈاکٹر سلام سندیلوی نے انگریزی ادب کا وسیع مطالعہ کیا تھا۔ جہاں تک ممکن ہوسکا ہے انسانی نفسیات کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ موصوف فکری ذہن کے مالک تھے۔ قدرت کو ان سے اہم کام لینا تھا اس لیے انھیں ہر طرح کی بے راہ روی سے پاک رکھا۔ انھوں نے اپنی شاعری کے ذریعہ نفسیاتی پہلوؤں کو اُجاگر کیا ہے۔ اسی لیے وہ ایک معتبر نفسیاتی نقّاد بھی تھے۔ ڈاکٹر سلام پچاس برسوں سے بے خوابی کے مریض تھے۔ ساری ساری رات جاگ کر گزارتے تھے نفسیاتی نقّاد بنانے میں آنکھوں میں گلا کوما (Glacuma) کے مرض نے بہت فائدہ پہنچایا۔ اسی بے خوابی کے زمانے میں موصوف نے ۱۹۶۹ء میں ''غالب کی شاعری کا نفسیاتی مطالعہ'' رقم کیا۔ اس تصنیف کے ضمن میں ڈاکٹر کرامت علی کرامت نے ۲۹/مارچ ۱۹۷۲ء کو ڈاکٹر سلام کو ایک خط لکھا تھا جو مقالہ کی ضرورت کے پیشِ نظر رقم کر رہا ہوں۔

برادرم جناب محترم سلام سندیلوی صاحب۔ آداب

بہت دنوں سے آپ کی خیریت معلوم نہ ہوسکی۔ نسیم بک ڈپو سے ''غالب کی شاعری کا نفسیاتی مطالعہ'' منگوا کر پڑھ لیا۔ دراصل آپ کی بے خوابی نے جہاں آپ کو ذہنی اذیت میں مبتلا کر دیا ہے وہیں اردو ادب پر بھی بڑا احسان ہے کیونکہ اس کے بغیر آپ اتنی اہم کتابوں کے مصنف نہیں بن سکتے ہیں۔ ''غالب کی شاعری کا نفسیاتی مطالعہ'' کتاب کو میں آپ کی بے خوابی کا عطیہ کہوں گا۔

مخلص۔ کرامت علی کرامت

ڈاکٹر سلام سندیلوی ایک مدّت سے بے خوابی کے اسیر تھے۔ اس لیے انھوں نے بے خوابی کے موضوع کو دلچسپ انداز میں رقم کیا ہے۔ ''اردو شعرا کی بے خوابی'' کے موضوع پر ان سے بہتر اور کون لکھ سکتا تھا کیونکہ ان کی اس تنقید میں ان کے ذاتی تجربات بھی شامل ہیں اس ضمن میں ڈاکٹر موصوف نے الفریڈ ایٹلر کے ایک مضمون نروس انسورینا (Neurvious Insorinia) سے استفادہ کیا ہے۔ ڈاکٹر سلام سندیلوی کی سب سے اہم اور مستند کتاب نفسیاتی تنقید کے اُجالے ہے۔ ڈاکٹر سلام نے اپنے مشاہدے اور تجربے سے کام لے کر ماہرین نفسیات کے ناقدین کا حوالہ دیتے ہوئے اہم شاعروں کے اشعار کا نفسیاتی پہلو ڈھونڈ نکالا ہے۔ میر کی شاعری میں بے خوابی کے مضمون میں موصوف نے اپنے ذاتی تجربے اور مشاہدے کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے قلم اُٹھایا ہے، وہ رقمطراز ہیں۔ بے خوابی کے اثرات بہت مضر ہوتے ہیں۔ جب انسان رات بھر جاگتا ہے تو صبح کو وہ تھکاوٹ محسوس کرتا ہے اور دِن میں کام کرنے کے لائق نہیں رہ پاتا ہے۔ بے خوابی ایک قسم کا دماغی مرض ہے، بے خوابی کی بنا پر مریض مجبوری (Cumpulsion) اور بے بنیاد وہم (Phobia) اور جنونی کیفیت میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ سخت قسم کی بے خوابی میں انسان اعصابی خلل کا شکار ہوجاتا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر سلام سندیلوی رقمطراز ہیں۔ ''الفریڈ ایٹلر کا قول ہے کہ نیند لانے میں وہ لوگ زیادہ کامیاب ہوتے ہیں جو طبیعتاً ہشّاش بشّاش اور خوش وخرّم نظر آتے ہیں ایسے لوگ افکارِ زمانہ اور غم دوراں کا اثر کم لیتے ہیں۔ تاہم جو لوگ فطری طور پر غمگین اور شدید حسّاس ہوتے ہیں وہ سونے میں اکثر ناکام رہتے ہیں۔

ڈاکٹر سلام سندیلوی نے اپنی شاعری کے ذریعہ رنج والم کی سچّی اور حقیقی ترجمانی مؤثر انداز میں کی ہے۔ کم الفاظ میں شاعر وہ سب کچھ کہہ لیتا ہے جو اس کے دل ودماغ میں رچی بسی ہوتی ہے، چونکہ یہ تاثرات شاعر کے حسّاس دل ودماغ سے نمایاں ہوتے ہیں اس کا مثبت اثر یہ ہوتا ہے کہ دل سے نکلی ہوئی بات دل میں بیٹھ جاتی ہے اور اس منزل پر ایک بے حد حسّاس شاعر کامیاب ہوجاتا ہے۔

ڈاکٹر سلام سندیلوی ۳۰/جون ۱۹۷۹ء کو گورکھپور یونیورسٹی کے شعبۂ اردو سے بحیثیت ریڈر ملازمت سے سبکدوش ہوئے تھے۔ سبکدوش ہونے کے بعد موصوف نے باقی زندگی سرزمین گورکھپور میں ہی بسر کی، زندگی کے آخری ایام میں انھیں اردو اکیڈمی حکومتِ اتر پردیش کی جانب سے مولانا ابوالکلام آزاد ایوارڈ سے نوازا گیا تھا۔ تقریباً ۸۳ سال کی عمر میں ۱۶/ستمبر ۲۰۰۰ء کو شب کے ۱۰ بج کر ۲۰ منٹ پر انھوں نے اپنی زندگی کی آخری سانس لی۔ ۱۷/ستمبر ۲۰۰۰ء کو بعد نماز ظہر گورکھپور کے قدیمی قبرستان مبارک خاں شہید میں سپردِ خاک کیا گیا۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

○○